اخبارِ اُمت

شرق اوسط امریکی اصلاحات کی زد میں

عبدالغفار عزیز°

۱۵ اپریل ۲۰۰۵ء کا دن شاہ مراکش محمد السادس کے لیے خوشی کا دن تھا۔ آج اس کے پہلے اور اکلوتے بیٹے مولای الحسن کے ختنے کا جشن تھا۔ ''خوشی'' کے اس اہم موقع پر خزانے کا منہ تو کھلنا ہی تھا' جیلوں کے دروازے بھی کھول دیے گئے اور مراکش کی مختلف جیلوں سے ۷۹ا,۷ قیدی رہا کردیے گئے۔ پورے ملک میں مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ بادشاہ سلامت اور نومختون ولی عہد کی خدمت میں تحائف دینے کے لیے خصوصی جلوس نکالے گئے اور مملکت مراکش میں امن' اخوت' انصاف' جمہوریت اور ترقی کے نئے باب رقم ہوگئے۔

خوشی اور اظہارِ خوشی ایک فطری امر ہے لیکن اپنی ہاشمی نسبت پر فخر کرنے والے مراکش کے شہنشاہ نے دنیا کو اسلام کے اعتدال اور حقوقِ انسانی کی پاسداری کی عملی تصویر دکھائی' کسی کو یہ بے محل سوال نہیں کرنا چاہیے کہ اگر صاحبزادہ صاحب کا ختنہ نہ ہوتا تو یہ ۷۹ا,۷ قیدی مزید کتنا عرصہ جیلوں میں ہی سڑتے رہتے اور یہ کہ مزید کتنے ہزار قیدی کسی ایسی ہی ''مبارک'' تقریبِ ختنہ کے منتظر رہیں گے۔

امریکا بہادر اس وقت دہشت گردی کے خلاف اپنی عالمی جنگ کے اہم مرحلے میں داخل

° ڈائرکٹر امور خارجہ' جماعت اسلامی پاکستان

ہو چکا ہے۔ عراق اور افغانستان کی طرح عسکری قبضہ بھی اس جنگ کا حصہ ہے اور نام نہاد روشن خیالی واعتدال پسندی کی وسیع لہر بھی اس جنگ کا لازمی جزو ہے۔ عراق میں اسے کیا فتوحات ملیں اس کا جائزہ ذرا آگے چل کر، لیکن پہلے ذرا اس کی وسیع تر جنگ کی ایک جھلک۔ یہ جنگ سیاست، ثقافت، ذرائع ابلاغ اور تعلیم کے میدان میں لڑی جا رہی ہے۔ شرق اوسط اس کا مرکزی میدان ہے لیکن اس کی حدود مراکش سے ترکی اور برعظیم تک پھیلا دی گئی ہیں۔ پالیسی ساز امریکی اس پورے خطے میں اصلاحات کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ ہر جگہ ایک ہی کلچر ہو، یکساں نظام تعلیم ہو جس میں کہیں ''نفرت'' کا پرچار نہ ہو۔ (جہاد کی فضیلت اور مشرکین و یہود کی اصل تصویر دکھانا نفرت پھیلانا ہے)۔ وسیع تر شرق اوسط میں سیاسی اصلاحات اس طور کی جائیں کہ ہر جگہ روشن خیال حکومتیں قائم ہوں۔ ان حکومتوں کے ذریعے عوام بالخصوص نوجوان نسل کے دل و دماغ تک رسائی حاصل کی جائے تاکہ امریکا کے خلاف نفرت کا تناسب کم ہو، کیونکہ اسی نفرت سے بالآخر دہشت گردی جنم لیتی ہے۔

وسیع تر اصلاحات کی ضرورت پر سب سے زیادہ زور اس وقت سعودی عرب، شام، ایران اور مصر پر دیا جا رہا ہے کیونکہ سعودی عرب ''القاعدہ'' کا گڑھ اور اصل مسکن ہے۔ یہاں کا نظامِ تعلیم انتہائی بنیاد پرست ہے جس میں قرآنی آیات و احادیث نبویؐ کی بھرمار ہے۔ سعودی نوجوان براستہ شام عراق میں بھی دہشت گردی کر رہے ہیں۔ شام ان سے چشم پوشی کے علاوہ فلسطینی دہشت گرد تنظیموں حماس اور جہاد اسلامی کو پناہ دیے ہوئے ہے اور جنوبی لبنان سے اسرائیلی فوجوں کو نکال باہر کرنے والی 'دہشت گرد' تنظیم حزب اللہ کا پشتیبان ہے۔ شام کے تعلقات ایران سے بھی بہت مضبوط ہیں اور ایران ایٹمی اسلحہ بنا رہا ہے۔ اس سے دوستی بھی یکساں جرم ہے (البتہ عراق میں لائی جانے والی شیعہ حکومت سے ایران کے قریبی تعلقات اس وقت ہماری ضرورت ہیں، ان پر فی الحال کوئی اعتراض نہیں)۔ مصر نے شرق اوسط کے نقشے میں رنگ بھرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن ایک تو بوڑھا حسنی مبارک اب مفلوج ہوتا جا رہا ہے اور روسی صدر بورس یلسن کی طرح عوامی تقریبات میں لڑکھڑا چکا ہے۔ دوسرے، مصری عوام کی اکثریت اس کے ۲۴ سالہ اقتدار سے تنگ آ چکی ہے۔ مضبوط تر ہوتی ہوئی اسلامی تحریکیں تو پہلے ہی سے مخالف تھیں۔ اب وہ سیکولر اور خالص

امریکی لابی کا اعتماد بھی کھو چکا ہے' اور پھر یہ کہ مسئلہ فلسطین میں مصر کا مطلوبہ کردار اب کولھو کے بیل کا سا رہ گیا ہے۔ مخصوص غلام گردشوں میں خدمات انجام دینے کے علاوہ وہ فلسطین و یہود تنازعے میں مزید کیمپ ڈیوڈ معاہدے کرنے کے قابل نہیں رہا۔

امریکی پالیسی ساز اور تنفیذی مراکز آئے روز بیانات دے رہے ہیں کہ ''خطے میں تبدیلیوں کی ہوا چل پڑی ہے' اصلاحات ناگزیر ہیں۔ اکلوتی عالمی قوت ہونے کے ناطے یہ اصلاحات امریکا کی ذمہ داری ہے''۔ ''افغانستان، عراق اور فلسطین میں ہونے والے انتخابات آغاز ہیں۔ اب پورے شرق اوسط میں 'آزادانہ' انتخابات ہوں گے''۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ''وسیع تر شرق اوسط میں اصلاحات ہماری دفاعی ضرورت ہیں''۔ امریکا نے پٹرول کی ترسیل جاری رکھنے کے لیے تمام خلیجی ریاستوں میں اپنے مستقل فوجی اڈے قائم کر دیے' عراق پر براہ راست قابض ہوگیا' لیکن اپنا دفاع یقینی نہ بنا سکا۔ امریکا کے خلاف عوامی نفرت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی نفرت کی لہر سے بالآخر 'دہشت گرد' گروہ جنم لیتے ہیں۔

عوامی نفرت کے عوامل کا جائزہ لیتے ہوئے امریکی پالیسی ساز یقیناً کئی تلخ حقائق تک پہنچے ہوں گے لیکن اپنی اکثر تحریروں اور تجزیوں میں نصف سچ بولنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کیونکہ ان عرب ممالک میں گھٹن ہے' عوام کی آزادیاں مسلوب ہیں' اور امریکا کے حواری مسلم حکمرانوں نے اپنی اپنی ڈکٹیٹرشپ قائم کی ہوئی ہے' اس لیے ان کے خلاف عوامی نفرت کا بڑا حصہ خود امریکا کو بھی پہنچتا ہے۔ پھر نصف مرض کا نصف علاج یہ تجویز ہوتا ہے کہ ان ممالک میں اصلاحات لائی جائیں۔ یہ اصلاحات کیا ہیں؟ اہلِ پاکستان کے لیے انھیں سمجھنا دیگر اقوام کی نسبت کہیں آسان ہے۔ امریکا پاکستان میں جامع اصلاحات کا علم بردار ہے۔ 'روشن خیال اسلام' سے لے کر شان دار اقتصادی ترقی کے دعووں' انٹرنیٹ اور کیبل ٹی وی جیسے مخصوص میدانوں میں ٹکنالوجی کے فروغ' حقیقی جمہوریت کے فروغ اور ہمہ پہلو ثقافتی یلغار سمیت تمام اصلاحی اقدامات کا جادو پاکستان میں سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ میراتھن اور بسنت سے لے کر ایئرفورس کی پیشہ ورانہ تیاری تک' ہر جگہ اختلاط مرد و زن ہی کو ترقی و روشن خیالی کا لازمی جز و قرار دیا جا رہا ہے۔ فوجی وردی کو اقتدار و اختیار کا گھنٹہ گھر بنا دینے کے باوجود دعویٰ و اصرار ہے کہ ملک میں مثالی جمہوریت کا

دور دورہ ہے۔ آغا خان فاؤنڈیشن کی سرپرستی میں بے خدا تہذیب اور لامذہب نسلیں تیار کرنے کو تعلیمی انقلاب کا پیش خیمہ اور امریکی امداد کا ضامن ثابت کیا جا رہا ہے۔

کچھ ترامیم کے ساتھ یہی ماڈل دیگر مسلم ممالک پر بھی مسلط کیا جا رہا ہے۔ امریکی پالیسی ساز آنے والے دور میں ایران' عراق' مصر اور سعودی عرب کے علاوہ چھوٹی عرب ریاستوں کو بھی بے حد اہمیت دے رہے ہیں۔ امارات' قطر' بحرین' کویت' اُردن' عمان اور یمن سے اہم ترین دفاعی معاہدے کیے جا چکے ہیں اور مزید کیے جا رہے ہیں۔ کچھ نہ کچھ اصلاحات ان ممالک میں بھی کی جا رہی ہیں لیکن اس یقین دہانی کے ساتھ کہ کئی کئی عشروں سے برسرِاقتدار خاندانوں کا اقتدار باقی رہے گا۔ بلدیاتی ادارے اور نصف منتخب' نصف نامزد پارلیمنٹ دیکھنے کو ملیں گی۔ عوام کسی نہ کسی حد تک آزادی اظہار بھی پائیں گے۔ ذرائع ابلاغ صرف ریاستی کنٹرول میں نہیں رہیں گے۔ امریکی وزارت دفاع اور وزارت خارجہ بھی اپنے ابلاغیاتی ادارے متعارف کروائیں گی۔ نوجوانوں کو مغربی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے خود ان ریاستوں میں امریکی و مغربی تعلیمی اداروں کی شاخیں قائم کی جائیں گی' اور امریکی ٹیکس دہندگان کو باور کروایا جائے گا کہ شرق اوسط میں آزادی و جمہوریت کا طوطی بول رہا ہے۔ رہے مصر' سعودی عرب اور ایران جیسے بڑے ممالک' تو ان میں سے ہر ملک کے لیے مختلف فارمولا وضع کرنا ہوگا۔ ایران میں اصلاحات کا اصل مقصد ایٹمی خطرے سے بچاؤ اور بنیاد پرستوں کے اختیارات میں کمی ہے۔ مصر میں تاریخی اور مقبول تحریک اخوان المسلمون اور سعودی عرب میں دین پسند طبقے کی بھاری اکثریت کی وجہ سے ادھوری جمہوریت کا سفر بھی امریکی مفادات کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ اس لیے جائزہ لیا جا رہا ہے کہ کہاں کس خطرے کو برداشت کر لینا کم نقصان دہ ہے۔

شرق اوسط میں اصلاحات کے اس سفر میں جہاں حکومتوں پر دباؤ' اپنی فوجی قوت کی نمایش' صدام حسین کی تصویریں دکھا دکھا کر اس کے انجام تک پہنچا دینے کی دھمکی اور ''جو ہمارے ساتھ نہیں ہمارے خلاف ہے'' کا فارمولا آزمایا جا رہا ہے' وہیں غیر حکومتی تنظیموں کے وسیع تر ہوتے ہوئے جال کو بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے ذریعے حکومتی ایوانوں تک رسائی کے علاوہ ان ممالک میں پائے جانے والے ایسے عناصر کو مالی طور پر نوازا اور متحرک کیا جا رہا ہے جو گھر کے بھیدی ہونے

کا مقام و مرتبہ پاسکیں۔ یہ عناصر صحافیوں، کالم نگاروں، دانش وروں اور یونی ورسٹی کے اساتذہ کے علاوہ بے روزگار و غیر مطمئن نوجوان بھی ہوسکتے ہیں۔

شرق اوسط میں اصلاحات کی راہ میں درپیش رکاوٹوں کی فہرست بھی مختصر نہیں ہے لیکن اس میں سرفہرست عراق کی بگڑتی ہوئی صورت حال ہے۔ فلسطین کے حالات بھی کم گمبھیر نہیں اور جب تک فلسطین، کشمیر، جنوبی سوڈان جیسے تنازعے اپنے یا اپنے حلیفوں کے مفادات کے مطابق حل نہیں کرلیے جاتے، نوجوانوں میں جہاد کا جذبہ سرد نہیں کیا جاسکتا۔ عراق میں اگرچہ ''انتخابات کے انگاروں پر جمہوریت کا ماتم'' کیا جاچکا ہے لیکن وہاں مزاحمت کا جن واپس بوتل میں بند کرنا فی الحال کسی دنیاوی طاقت کے بس کی بات نہیں ہے۔

لندن سے شائع ہونے والے ہفت روزہ رسالۃ الاخوان نے البصرہ نیٹ کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی ہے جو امریکی ریٹائرڈ فوجیوں کے ایک تحقیقی سنٹر نے تیار کی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق عراق میں زخمی یا اپاہج ہوکر کسی فوجی خدمت کے لیے ناکارہ ہوجانے والے فوجیوں اور ''فوجنوں'' کی تعداد ۴۸ ہزار ۷ سو ۳۳ ہوچکی ہے، جب کہ مختلف نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوجانے والوں کی تعداد بھی ۱۲ ہزار ۴ سو ۲۲ ہے۔ اس جنگ میں ہلاک ہوجانے والوں کی تعداد پینٹا گون نے ۱۵۰۰ بتائی ہے لیکن اس رپورٹ کے تیار کرنے والوں نے وزارت دفاع سے سوال کیا ہے کہ اگر دیگر ذرائع کے اصرار پر یقین نہ بھی کیا جائے کہ امریکی فوجیوں پر ہونے والے حملوں کی تعداد ۲۵۰ سے ۳۰۰ حملے روزانہ ہے اور آپ کی بات پر اعتبار کرلیا جائے کہ روزانہ حملوں کی تعداد ۸۰ سے ۱۲۰ حملے ہے، تب بھی ۱۵۰۰ کی تعداد، حقیقت سے کوسوں دُور ہے۔ ان سابق فوجیوں کے مطابق مرنے والے امریکیوں کی تعداد اب تک ۲۰ ہزار سے متجاوز ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق امریکی اقتصادیات کی صورت بھی دگرگوں ہے۔ ۱۹۷۱ء میں امریکی بجٹ میں خسارہ چھے ارب ڈالر کے قریب تھا جو ۱۹۹۳ء میں ۳۴۰ ارب ڈالر ہوگیا۔ کلنٹن کے دور میں عراق کویت جنگ کا اسلحہ خلیجی ریاستوں کے سرتھوپ دینے کے باعث یہ خسارہ ۶۰ ارب ڈالر رہ گیا لیکن بش جونیئر کے زمانے میں پھر یہ خسارہ ۳۰۰ ارب ڈالر تک جاپہنچا۔ عراق میں بڑھتے ہوئے جنگی اخراجات کے باعث یہ خسارہ آیندہ برس ۷۰۰ ارب ڈالر تک پہنچنے کا خدشہ ہے۔ (رسالۃ الاخوان، شمارہ ۴۰۹، یکم اپریل ۲۰۰۵ء)

اس عراقی صورت حال کے تناظر میں خود امریکی تجزیہ نگار لکھ رہے ہیں کہ فی الحال امریکی اصلاحات کا سفر کسی کھلی شاہراہ کے بجاے اندھیاری پگڈنڈیوں پر ہی جاری رہے گا۔ البتہ گاہے بگاہے دنیا کو روشن خیالی اور عالمِ عرب میں جمہوریت و آزادیوں کی خبریں چھن چھن کر ملتی رہیں گی۔ امریکا بہادر اعلان کرتا رہے گا کہ مراکش اور چھوٹی عرب ریاستوں کا سفرِ جمہوریت خوش آیند ہے۔ دوسروں کو بھی ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ اپنے عوام کو قید سے رہائی دینی چاہیے' خواہ ہزاروں لوگوں کی یہ رہائی ''تقریبات ختنہ'' ہی سے مشروط کیوں نہ ہو۔